صدقات کے براہِ راست مخالف نہ ہو۔[1] اس اصول کو وضع کرتے وقت وہ ایسے بہت سے مستثنیات بتاتا ہے جن میں سود کی اجازت نہیں دی جا سکتی، ان میں سے بعض نمایاں صورتیں یہ ہیں: ایسے لوگوں سے سود نہیں لینا چاہیئے جو سخت ضرورت میں مبتلا ہوں، غریب بھائیوں کا خاص طور سے خیال رکھا جائے، ریاست کی فوز وفلاح پیشِ نظر رہے۔ اور شرحِ سود ہرگز اس حد سے نہ بڑھنے پائے جو قانوناً مقرر کی گئی ہے۔

### مولی نی اُش، مسیحی فقہاء کے کلامی دلائل کا جائزہ اور ان کی تنقید، اس کے نتائج اور رخصتیں

نظریاتی بنیادوں پر حرمتِ سود کی مخالفت کرنے والوں میں جس طرح پہلا مذہبی عالم کالون ہے اسی طرح پہلا مخالف قانون داں مولی نی اس ہے۔ دونوں مصنف اصولوں میں متحد ہیں لیکن اندازِ بیان دونوں کا اتنا ہی مختلف ہے جتنے دونوں کے پیشے۔ کالون بڑی تیزی سے براہِ راست اس چیز کی طرف توجہ کرتا ہے جو اس کے نزدیک اس معاملے میں مرکزی اہمیت کی حامل ہے۔ وہ ثانوی مرتبہ رکھنے والے اعتراضات کا جواب دینے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ اس طرح اس کا یقین منطقی استدلال کے بجائے تاثرات سے ابھرتا ہے۔ اس کے برخلاف مولی نی اس امتیازی فروق قائم کرنے اور ہندی کی چندی نکالنے میں ماہر ہے۔ اپنے مخالفین کے کلامی پیچ وخم اور موشگافیوں کی تردید کرنے سے وہ کبھی نہیں تھکتا۔ وہ نہایت تفصیل کے ساتھ ان کے استدلال کے ایک ایک نکتے کی رسمی طور سے تنقید و تردید کرتا ہے۔ کالون کے مقابلے میں اس کا طرزِ بیان اگرچہ کہیں زیادہ محتاط ہے تاہم صاف اور بے لاگ بات کہنے میں وہ کالون سے کم نہیں۔

اس موضوع پر مولی نی اس کی خاص تحریر TRACTATUS CONTRACTUUM ET USURARUM REDITUUMQUE PECUNIA CONSTITUTORUM کے نام سے ۱۵۴۶ء میں چھپی۔ اس کا پہلا حصہ کالون کے طریقِ استدلال سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے لیکن یہ مشابہت غالباً اتفاقی ہے۔ چند ابتدائی تعریفات دینے کے بعد وہ مذہبی قوانین کا جائزہ لینے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس سلسلے میں کتابِ مقدس کی عبارتوں کی غلط تاویلات کی گئی ہیں۔ یہ عبارتیں سود لینے کی ممانعت عمومی طور سے نہیں کرتیں، صرف ایسا سود ناجائز قرار دیتی ہیں جو خیرات اور برادرانہ محبت کے جذبوں کو کچلتا ہو۔[2]

---

[1] کیا یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ سود فی حد ذاتہٖ براہِ راست ان سب کی ضد ہے۔ مترجم۔

[2] اس بات کو بعینہٖ اسی طرح مسلم معاشرے کے متجددین دہراتے رہتے ہیں۔ تشابہت قلوبہم۔ مترجم۔

اور اس کے بعد وہ کالون کی طرح اس امیر آدمی کی مثال پیش کرتا ہے جس نے روپیہ قرض لے کر زمین خریدی ہے۔

آگے چل کر استدلال کالون کے مقابلے میں کہیں زیادہ پھیلاؤ اختیار کرتا ہے۔ وہ بڑی قطعیت کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تقریباً ہر قرضے میں اس قرضے کی واپسی کے علاوہ بھی قرض خواہ کا ایک مزید حق موجود ہوتا ہے، یہ مزید حق کسی نقصان کو برداشت کرے یا سرمائے سے فائدہ اٹھانے کو ترک کر دینے کا وہ معاوضہ ہے جو قرینِ انصاف بھی ہے اور معاشی نقطۂ نظر سے ضروری بھی، یہ معاوضہ اپنے حقیقی اور صحیح معنی میں سود یا استعمال کا بدلہ ہے۔ جسٹینین (JUSTINIAN) کے قوانین جو سود کی اجازت دیتے ہیں اور صرف شرحِ سود پر پابندی لگاتے ہیں، ظالمانہ قرار نہیں دیئے جانا چاہئے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ قرض دار کے لئے فائدہ مند ہیں کیوں کہ مناسب مقدار میں سود کی ادائیگی اسے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کا موقع دیتی ہے۔

مولی نی اس اس کے بعد سود کے خلاف دیئے ہوئے اہم مسیحی دلائل کا جائزہ لیتا ہے اور ہر دلیل کو پیش کر کے اس کی تردید کرتا ہے۔

ٹامس ایکوئی ناس کے اس پرانے اعتراض کا کہ قرض دینے والا اس رقم پر سود لے کر ایک ہی چیز کو دو مرتبہ بیچتا ہے یا ایک غیر موجود شے کو فروخت کرتا ہے، مولی نی اس یہ جواب دیتا ہے کہ روپے کی منفعت زرِ اصل سے علیحدہ اپنی ایک مستقل حیثیت اور وجود رکھتی ہے اور اس بنا پر اسے زرِ اصل سے علیحدہ فروخت کیا جا سکتا ہے۔ روپے کو فوراً خرچ کر دینا ہی اس کی منفعت نہیں وہ منفعت جو بعد میں حاصل ہوتی ہے یعنی قرض لیئے ہوئے روپے کے ذریعے ایک آدمی جو اشیاء حاصل کرتا ہے ان کی منفعت بھی روپے ہی کی منفعت ہے، تاہم اگر یہ بات ثابت ہو بھی جائے کہ روپے کے ساتھ اس کی منفعت بھی منتقل ہو کر ادھار لینے والے کی قانونی ملک بن گئی ہے اور اس پر سود ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی ہی ملک پر سود ادا کر رہا ہے تب بھی مولی نی اس کے نزدیک یہ بات غلط نہیں، وہ کہتا ہے کہ اگر کسی پر کسی کا قرضہ آتا ہے تو وہ قرض دار کی ملکیت بیچنے میں قطعی حق بجانب ہے، بالکل یہی معاملہ قرضوں کے بارے میں بھی ہے۔[۱]

---

[۱] ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ' غالباً ایسے ہی مواقع کے لئے کہا گیا ہے۔ اپنے حق کی وصولیابی کا استحقاق ہونا ایک نئے حق کو کیسے ثابت کرتا ہے جو اس سے علیحدہ اور مستقل وجود رکھتا ہے۔ قرض کے بارے میں قرض خواہ کو حقِ استرداد مثل ضرور حاصل ہے، مگر یہ چیز اس حق کے علاوہ ایک اضافے پر استحقاق کی دلیل کیسے بن گئی۔ مترجم۔

آخر میں روپے کے فطری طور پر بے ثمر ہونے کی دلیل کا مولی نی اس یہ جواب دیتا ہے کہ کاروباری زندگی کا روزمرہ کا تجربہ بتاتا ہے کہ روپے کی ایک معقول رقم کے استعمال سے جو کارکردگی پیدا ہوتی ہے۔ وہ کوئی معمولی اہمیت رکھنے والی چیز نہیں اور یہ کارکردگی قانونی زبان میں بھی روپے کا ثمرہ کہی جاتی ہے، یہ استدلال کہ زر اپنی ذات سے بے ثمرہ ہے معقول نہیں کیوں کہ زمین پر بھی جب کچھ خرچ نہ کیا جائے، محنت نہ لگائی جائے اور انسانی جدوجہد صرف نہ کی جائے تب تک اس سے بھی کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی، بالکل اسی طرح زر پر بھی جب انسانی جدوجہد صرف کی جاتی ہے تو اس سے بڑے نمایاں ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔ کیسجی علماء کے خلاف مولی نی اس کے باقی دلائل بہت کم نظری اہمیت کے حامل ہیں۔

موضوع کے اطراف وجوانب پر اس طرح غور کرنے کے بعد اس کی بنیاد پر مولی نی اس اپنے دعوے کو حسب ذیل طریقے پر پیش کرتا ہے:

سب سے پہلے یہ ضروری ہے اور فائدہ مند بھی کہ سود کے لین دین کی ایک مخصوص شکل کو برقرار رکھا جائے اور اس کی اجازت دی جائے، یہ مخالفانہ رائے کہ سود فی نفسہٖ قابلِ اعتراض ہے احمقانہ، نقصان دہ، اور پُر از توہمات ہے۔

مولی نی اس یہ الفاظ کہہ کر اپنے آپ کو کلیسا کا براہِ راست اور شدید ترین مخالف بنا لیتا ہے۔ ان میں کسی حد تک اعتدال پیدا کرنے کے لئے جیسا کہ ایک کیتھولک بعض دوسری مصلحتوں کے پیشِ نظر کرنے پر مجبور ہو سکتا ہے۔ وہ بعض عملی رعایتیں اور رخصتیں دیتا ہے لیکن اس کے باوجود اصولوں میں مفاہمت نہیں کرتا۔ ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ مصلحت کی بنیادوں پر اور مروجہ خرابیوں کے پیشِ نظر وہ اس خالص اور سادہ سود کے بارے میں کلیسا کی حرمت کو تسلیم کرتا ہے جو یوژری کی شکل میں رائج ہے، مگر یہ چاہتا ہے کہ سالیانوں کی ہلکی اور ہمدردانہ شکل کو برقرار رکھا جائے جن کے بارے میں اس کا بجا طور پر یہ خیال ہے کہ یہ "یوژری کے کاروبار کی ایک حقیقی نوع ہیں"۔

| | |
|---|---|
| تاہم کالون اور مولی نی اس اپنے موقف میں سولہویں صدی میں قریب قریب تنہا نظر آتے ہیں | کالون اور مولی نی اس کی تصانیف عرصہ دراز تک گوشۂ گمنامی میں پڑی رہیں۔ اس کی وجہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں، ایسی |

چیز کو صحیح بتانے کے لئے جسے کلیسا، قانون اور علمی دنیا سب نے بیک وقت معتوب قرار دے دیا ہو اور جس کی مخالفت میں ہر گوشے سے دلائل جمع کر دیئے گئے ہوں نہ صرف غیر معمولی ذہنی آزادی بلکہ ایسی غیر معمولی جراءت کی بھی ضرورت تھی جو شکوک و شبہات اور مصائب میں مبتلا ہونے کے بعد بھی اپنے موقف سے قدم پیچھے نہ ہٹائے۔ اس تحریک کے قائدین کا جو حشر ہوا اس نے یہ بات واضح کر دی کہ خوف و خطر کچھ بیجا بھی نہ تھا، کالون کا تو ذکر ہی کیا جس نے کیتھولک دنیا کے پندار کو ایک دوسرے طریقے سے بھی مجروح کیا تھا۔ مولی نی اس کو مصیبتیں جھیلنا پڑیں۔ اسے جلاوطن کر دیا گیا اور حالانکہ اس نے اپنی کتاب میں کافی احتیاط برتنے کی کوشش کی تھی تاہم اس کا مطالعہ ممنوع قرار دیا گیا۔ اس کے باوجود اس کتاب کو مقبولیت حاصل ہوئی، لوگوں نے اسے پڑھایا، دہرایا اور بار بار چھاپا اور اس طرح وہ بیج بو دیا گیا جو آخر کار ایک تناور درخت ہو گیا۔ (باقی)


## بیان بابت ملکیت وتفصیلات متعلقہ ماہنامہ برہان، دہلی

جو ہر سال ختم فروری کے بعد سب سے پہلی اشاعت میں چھپے گا۔

### فارم چہارم

دیکھو قاعدہ ۸

۱- مقام اشاعت: اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

۲- وقفۂ اشاعت: ماہانہ

۳- طابع کا نام: حکیم مولوی محمد ظفر احمد خاں

قومیت: ہندوستانی

سکونت: اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

۴- ناشر کا نام: حکیم مولوی محمد ظفر احمد خاں

قومیت: ہندوستانی

سکونت: اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

۵- ایڈیٹر کا نام: مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم، اے

قومیت: ہندوستانی

سکونت: علی منزل لال ڈگی روڈ، سول لائنز علی گڈھ

۶- مالک: ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

میں محمد ظفر احمد خاں ذریعہ ہذا اقرار کرتا ہوں کہ مندرجۂ بالا تفصیلات میرے علم واطلاع کے مطابق صحیح ہیں۔ مورخہ ۱۱ر مارچ ۱۹۶۶ء۔ دستخط ناشر: محمد ظفر احمد خاں

# سیّد محمّد گیسو دراز اور اُن کی تفسیر ملتقط

از جناب محمد سالم صاحب قدوائی ایم اے (علیگ) ادارۂ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

---

ان کا نام محمد، کنیت ابو الفتح اور لقب صدر الدین ولی الاکبر الصادق ہے۔ دکن میں عام طور پر خواجہ بندہ نواز کے لقب سے مشہور ہیں۔ اور لوگ انھیں زیادہ تر سید محمد حسینی گیسو دراز کے نام سے جانتے ہیں۔ تاریخِ ولادت میں اختلاف ہے، بعض لوگ کہتے ہیں ۴ رجب ۷۲۱ھ[1]، بعض کا بیان ہے ۴ رجب ۷۲۰ھ[2] اور کچھ ۷۲۳ھ بھی کہتے ہیں[3] آپ کے والد کا نام سید یوسف حسینی اور عرف سید راجا تھا، والدہ کا نام بی بی رانی تھا۔ ان کی پیدائش دہلی میں ہوئی۔ ۷۲۸ھ میں جب سلطان محمد تغلق نے تمام باشندگانِ دہلی کو دولت آباد جانے کا حکم دیا تو حضرت گیسو دراز کے والد سید یوسف حسینی بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ روانہ ہوئے، انھوں نے دولت آباد پہونچ کر اس جگہ قیام کیا جو بعد میں روضۂ خلد آباد کے نام سے مشہور ہوئی۔ بعض دوسرے علما اور بزرگ بھی محمد تغلق کے جبر سے یہاں آبسے تھے۔ ۷۳۱ھ میں ان کے والد کا انتقال یہیں ہوا۔ ان کی قبر اب بھی زیارت گاہِ خاص وعام ہے، اُس وقت گیسو دراز کی عمر دس برس سے کچھ زیادہ تھی۔

حضرتِ گیسو دراز نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، ان کے انتقال کے بعد آپ کی تعلیم وتربیت آپ کے ماموں سید ابراہیم نے کی۔ بعض دوسرے اساتذہ سے بھی اس وقت کے نصابِ تعلیم کے مطابق درسی کتب پڑھیں، اور کم عمری ہی میں علومِ متداولہ سے فارغ ہو گئے، والد اور نانا سے حضرت سلطان المشائخ اور ان کے خلیفہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے فضائل اور کمالات ظاہری وباطنی سنا کرتے تھے، انھیں حضرت چراغ دہلی سے خاص

---

[1] دیباچہ خاتمہ ص۲۔ [2] سیرِ محمدی ص۶۔ [3] ترجمہ تاریخ حبیبی ص۴

عقیدت تھی اور ان کے کمالات سے بہت متاثر تھے اور بے دیکھے ہی ان سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے، ان کو ہر وقت یہ فکر رہتی تھی کہ کس طرح ان سے ملاقات کریں، دکن سے دہلی کا سفر ان دنوں آسان مرحلہ نہ تھا، دوسرے ان کی کم عمری بھی اس سفر میں مانع تھی، لیکن انہی دنوں اتفاق سے ان کی والدہ اور ماموں میں کچھ رنجش ہو گئی، ماموں ملک الامراء سید ابراہیم دولت آباد کے گورنر تھے۔ ان کی والدہ اس قدر دل برداشتہ ہوئیں کہ اپنے دونوں بیٹوں یعنی سید محمد اور سید حسن کو لے کر دہلی کے لئے روانہ ہو گئیں، سید محمد گیسو دراز دہلی پہونچ کر حضرت چراغ دہلی سے ملنے کے لئے بے چین ہو گئے، ۱۶ ر رجب ۷۳۶ھ کو اپنے بھائی کو لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی سعادت حاصل کی۔[1]

اُن کے لقب گیسو دراز کے متعلق بھی کئی روایتیں ملتی ہیں، کہتے ہیں کہ آپ ایک بار اپنے پیر و مرشد حضرت نصیر الدین سے نیاز حاصل کرنے گئے، وہ بالاخانہ پر تھے، خادم سے کہا کہ سید محمد کو بلاؤ، اتفاق سے اس وقت وہاں اس نام کے کئی آدمی موجود تھے، خادم نے کہا وہاں کئی سید محمد ہیں کس کو بلاؤں، چوں کہ اُن کے بال لمبے تھے اس لئے آپ نے فرمایا گیسو دراز کو— ایک بیان یہ بھی ہے کہ آپ اپنے پیر کی پالکی اٹھائے چل رہے تھے، راستہ میں آپ کے بال پالکی میں اُلجھ گئے۔ مرشد کے احترام کے خیال سے یہ اس تکلیف کو بہت دیر تک برداشت کرتے رہے، جب حضرت چراغ دہلی کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ کی ارادت مندی اور جذبہ سے بے انتہا متاثر ہوئے اور یہ شعر پڑھا ؎

ہر کو مرید سید گیسو دراز شد ؛ واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد[2]

۷۵۷ھ میں دہلی میں ہیضہ کی وبا پھیلی، حضرت گیسو دراز بھی اس مرض میں مبتلا ہوئے، مولانا صدر الدین طبیب کے علاج سے افاقہ ہوا۔ اسی بیماری کے دوران میں آپ نے ایک خواب دیکھا، جب انھوں نے یہ خواب اپنے مرشد کو سنایا تو انھوں نے اس کی تعبیر یہ سمجھی کہ یہ خلافت کی بشارت ہے، اسی سال حضرت نصیر الدین کا انتقال ہوا اور اُن کی وصیت کے مطابق سید محمد گیسو دراز ان کے خلیفہ ہوئے، اس طرح سے وہ خواب حقیقت بن گیا۔ اس وقت ان کی عمر چھتیس ۳۶ سال کی تھی۔[3]

---

[1] دیباچہ خاتمہ صہ ۲ ۔ [2] اخبار الاخیار صفحہ ۱۳۰ ۔ تذکرہ علمائے ہند صہ ۸۲ ۔ [3] دیباچہ خاتمہ صہ ۵ سیر محمدی صہ ۱۹

چالیس سال کی عمر میں ۷۶۱ھ میں والدہ کے بے حد اصرار پر آپ نے سید احمد بن مولانا سید جمال الدین مغربی کی صاحبزادی سیدبی بی رضا سے شادی کی۔ آپ کے دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں جو سب اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے مشہور ہیں۔

حضرت گیسو دراز کا قیام دہلی میں خطیرہ شیر خان میں تھا۔ جب تیموری حملہ کی وجہ سے دہلی کا امن و امان اور سکون خطرہ میں پڑا تو انھوں نے شہر کے سادات و علماء اور عوام کو دہلی سے چلے جانے کا مشورہ دیا اور خود بھی ۸۰۱ھ میں دہلی سے دکن کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ گوالیر، بھاندیر، چندیری اور کھمبایت ہوتے ہوئے دولت آباد پہونچے، اس وقت سلطان فیروز شاہ بہمنی کی حکومت تھی، وہ آپ سے بہت متاثر تھا۔ اس نے دولت آباد کے گورنر عضد الملک کو حکم بھیجا کہ حضرت گیسو دراز کو اظہارِ عقیدت کے طور پر نذر پیش کی جائے اور ان سے گلبرگہ آنے اور قیام کرنے کی درخواست کی جائے۔ حضرت نے یہ درخواست قبول کرلی۔ جب آپ گلبرگہ کے قریب پہونچے تو سلطان نے خود اعیانِ دولت، اہلِ خاندان، علماء اور فوج کے ساتھ آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا اور انتہائی ادب و احترام سے پیش آیا۔ اور اپنے ساتھ ہی گلبرگہ لایا۔ یہ واقعہ ۸۰۳ھ کا ہے۔ یہاں آنے کے بعد ان کا مستقل قیام یہیں رہا۔ لوگ جوق در جوق آپ سے استفادہ کے لئے آنے لگے اور تھوڑے ہی عرصہ میں درس و تدریس اور استفادہ کا حلقہ بہت وسیع ہوگیا۔

حضرت گیسو دراز کا انتقال ۸۲۵ھ میں ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ایک سو پانچ (105) برس سے کچھ زیادہ تھی، مولانا بہاء الدین امام نے غسل دیا اور اسی روز یعنی ۱۶ ذیقعدہ ۸۲۵ھ کو وہیں دفن کئے گئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت گیسو دراز نے وصیت کی تھی کہ انتقال کے بعد ان کی نعش دہلی بھیجی جائے اور والدہ کے پائیں دفن ہو۔ لیکن انتقال کے بعد آپ کے خاندان والوں نے میت کو دہلی بھیجنا مناسب نہ سمجھا اور خانقاہ سے قریب دفن کردیا۔[1]

حضرت گیسو دراز کی بزرگی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ سید اشرف جہانگیر سمنانی جیسے بزرگ انکے بڑے معتقد تھے اور کئی بار ان سے ملنے کے لئے گلبرگہ تک کا طویل سفر اختیار کیا اور ایک مدت تک حضرت گیسو دراز کی صحبت سے فیضیاب ہوتے رہے۔ خاتمہ کے دیباچہ میں لطائف اشرفی کے حوالہ سے لکھا ہے:

"حضرت قدوۃ الکبریٰ (یعنی مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی) می فرمودند کہ چوں بشرفِ ملازمت

---

[1] مقدمہ شکار نامہ ص۴۷۔

حضرت میر سید محمد گیسو دراز مشرف شدم آن مقدار حقائق و معارف کہ از خدمتِ وے بحصول پیوست از ہیچ مشائخِ دیگر نبود سبحان اللہ چہ جذبۂ قوی داشتہ اند"

اس کے آگے لکھتے ہیں:

"مدتے در ولایتِ دکن بقصبۂ گلبرگہ اتفاق نزول افتاد و دو مرتبہ دران دیار گذر رایات علائی شد"[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں خاص تفصیل سے حضرت گیسو دراز کے حالات اور علمی کمالات بیان کئے ہیں، ان کے حالات یوں شروع کرتے ہیں:

"سید محمد بن یوسف الحسنی الدھلوی خلیفہ راستین شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی است جامع است میان سیادت و علم و ولایت شانے رفیع و رتبتے منیع و کلامِ عالی دارد اور ا میانِ مشائخِ چشت مشربے خاص و در بیان اسرارِ حقیقت طریقے مخصوص است"[2]

نزہۃ الخواطر میں ان کے متعلق لکھا ہے:

"کان عالماً کبیرا عارفا قوی النفس عظیم الھیبۃ جلیل الوقار جامعا بین الشریعۃ والطریقۃ ورعاً تقیا زاھداً غواصاً فی بحار الحقائق والمعارف لہ مشارکۃ جیدۃ فی الفقہ والتصوف والتفسیر وفنون اخری اخذ عنہ ناس کثیر وانتفعوا بہ"[3]

سید محمد گیسو دراز کی علمی حیثیت بھی بہت اونچی ہے، ان سے پہلے چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں نے تصنیف وتالیف کی طرف کوئی خاص توجہ نہ کی تھی، حضرتِ گیسو دراز پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے اس جانب توجہ کی اور بہت سے رسالے اور کتابیں تصنیف کیں۔ تفسیر وحدیث، فقہ واصول اور ادب میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں؛ ان کو تین زبانوں میں مہارت تھی، عربی، فارسی اور قدیم اُردو، انھوں نے ان تینوں زبانوں میں بے تکلف کتابیں لکھی ہیں ان کی تصانیف کی تعداد ایک سو پانچ[105] بتائی جاتی ہے۔ لیکن اب ان میں سے تقریباً پچاس ملتی ہیں، باقی کا پتہ نہیں چلتا۔[4] ان کی کتابوں میں جو مشہور رہیں ان کے نام یہ ہیں، تفسیر در ملتقط (جس کا ذکر آگے کے صفحات میں ہوگا) ایک دوسری تفسیر کشاف کے انداز پر (شروع کے پانچ پاروں کی) شرح مشارق الانوار، معارف شرح عوارف،

---

[1] دیباچہ خاتمہ ص ۱۴۔ [2] اخبار ص ۱۲۹۔ [3] نزہۃ ۳/۵۴۔ [4] مقدمہ شکارنامہ ص ۵۱۔

شرح آداب المریدین، شرح فصوص الحکم، حدائق الانس، حواشی قوت القلوب، شرح فقہ اکبر، رسالہ در مراقبہ رسالہ ضرب الامثال اور ان کے ملفوظات کا مجموعہ جوامع الکلم وغیرہ، ان کے علاوہ بیس اکیس اُردو تصانیف کا ذکر بھی لوگوں نے کیا ہے، جن میں معراج العاشقین، ہدایت نامہ، مجموعہ رسالہ تصوف، ہفت اسرار۔ رسالہ حدیث قدسی، شکار نامہ وغیرہ مشہور ہیں۔ ان کی اُردو قدیم دکنی دور کی یادگار ہے۔ اور بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو اب متروک ہو چکے ہیں، ان کے اُردو کاموں اور اس زبان میں ادبی صلاحیتوں پر کافی کام ہوا ہے، حکیم شمس اللہ قادری، ڈاکٹر عبدالحق، ڈاکٹر نذیر احمد، ڈاکٹر ثمینہ شوکت وغیرہ نے ان کے بہت سے رسالوں کا پتہ چلایا اور ان کو مرتب کرایا ہے اس طرح سے ان کی حیثیت اُردو میں اب مستحکم ہو چکی ہے۔

حضرت گیسو دراز کو اسلامی علوم اور مذہب کو سب تک پہونچانے اور ہر ایک کی نظر میں برتر ثابت کرنے کی بہت فکر رہتی تھی، آپ کی اکثر تصانیف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہی اصولوں کے پیشِ نظر لکھی گئی تھیں، ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ آپ نے اپنے مرشد حضرت چراغ دہلی سے کہا کہ مجھے علومِ ظاہری میں اب کافی دستگاہ ہو گئی ہے اگر اجازت ہو تو علومِ باطنی کی طرف توجہ کر دوں، لیکن حضرت چراغ دہلی ان کے ذریعہ سے عوام کو دینی تربیت دینا چاہتے تھے، اس لئے علمی کاموں میں لگے رہنے کی تاکید کی اور فرمایا "مارا با تو کارہا است"[1]

ان کی تصانیف کے متعلق ایک بات اور بھی کہی جاتی ہے کہ تصانیف کو وہ خود نہیں لکھتے تھے، بلکہ وہ بولا کرتے تھے اور کاتب لکھ لیتے تھے، کسی کتاب کو لکھوانے کے بعد نہ دوبارہ خود دیکھتے تھے اور نہ ہی پڑھوا کر سنتے تھے۔[2]

آپ کبھی کبھی بے ساختہ شعر بھی کہا کرتے تھے، اور اپنے نام و لقب کے جس حصّہ کو مناسب سمجھتے تخلص کے طور پر استعمال کرتے تھے، طرزِ فکر اور اندازِ بیان کے لحاظ سے یہ اشعار انہی مضامین پر مبنی ہوتے تھے جنھیں آپ اپنے مشن کے طور پر عوام میں پھیلانا چاہتے تھے، ان کے اشعار کو اُن کے ایک مُریدنے بعد میں جمع کر کے دیوان مرتب کیا، جو خاصہ ضخیم ہے۔[3]

سید محمد گیسو دراز کی تفسیر ملتقط کا ذکر ان کے تذکروں میں تو عام طور سے مل جاتا ہے، لیکن کتاب کے موجود ہونے کی طرف کسی نے بھی اشارہ نہیں کیا ہے۔ سب سے زیادہ تعجب تو اس پر ہے کہ ڈاکٹر زبید احمد صاحب نے بھی جن کی کتاب ہندوستان میں عربی علوم کے سلسلہ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ نہ اس کتاب کا ذکر کیا ہے، اور نہ ہی

---

[1] دیباچہ خاتمہ ص۵۔ [2] ایضاً ص۱۷۔ [3] ایضاً ص۱۸۔